اسلام اور ریاست

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الکریم وعلی آلہٖ وأصحابہٖ أجمعین وعلٰی کل من تبعہم بإحسان إلٰی یوم الدین أما بعد:

غیر منقسم ہندوستان میں قائداعظم کی قیادت میں قیام پاکستان کی جو تحریک چلی، اس کی بنیاد مسلم قومیت کے نظریے پر تھی، انگریزوں اور ہندوؤں کے مقابلے میں جو تمام ہندوستانیوں کو ایک قوم قرار دے کر اکھنڈ بھارت کے حق میں تھے، قائداعظم نے پورے زور وشور اور دلائل کی روشنی میں یہ نعرہ لگایا کہ ہندوستان میں دو قومیں بستی ہیں: ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم۔ مسلمان رہنماؤں، اہل فکر اور علماء کرام نے اس کی بھرپور تائید کی، اور میرے بچپن میں ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' کی جو صدائیں گونجتی تھیں، ان کی دلکش یاد آج بھی کانوں میں محفوظ ہے۔ آخر کار مسلم اکثریت نے قائداعظم کی اس پکار پر لبیک کہا اور ناقابل فراموش قربانیوں کے بعد ہمالیہ کے دامن میں ارضِ پاک ایک حقیقت بن کر اُبھری۔ نظریۂ پاکستان کی بنیاد تو واضح تھی، لیکن ایک چھوٹا سا حلقہ پاکستان بننے کے بعد اس کی فکری بنیاد سے محروم کر کے اس کے سیکولر ریاست ہونے کا نظریہ ظاہر کرتا رہا، یہاں تک کہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے دستورِ پاکستان کے لیے وہ قرار دادِ مقاصد باتفاق منظور کی جس نے ملک کا رُخ واضح طور پر متعین کر دیا کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے اور عوام کے منتخب نمائندے اپنے اختیارات قرآن وسنت کی حدود میں رہ کر استعمال کر سکیں گے، اور یہ قرار داد ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے تمام دستوری مسودوں کا الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ لازمی جزء بنی رہی اور آج بھی وہ ہمارے دستور کی وہ دستاویز ہے جس پر ہم فخر کر سکتے ہیں۔ چوتھائی صدی تک بنتی ٹوٹتی اسمبلیوں میں بھی اور باہر بھی اس پر کھلے دل سے بحث ومباحثہ بھی ہوا اور بالآخر اس پر پورے ملک کا اتفاق ہو گیا۔ پھر اس کی بنیاد پر دستور کی

درکار ہے، لیکن زکوٰۃ حکومتی سطح پر عائد کرنے کے لیے پارœن کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہی مقصود ہے تو حکومت پارœن کے کسی قانون کے بغیر زکوٰۃ کس بنیاد پر وصول کرے گی؟ اور اس کی اس اتھارٹی کا سرچشمہ کیا ہوگا؟ اگر وہ سرچشمہ قرآن کریم ہے تو کہنا ہوگا کہ قرآن کریم پارœن پر بالادستی رکھتا ہے، پھر ریاست کا کوئی مذہب نہ ہونے کا اصول کہاں گیا؟

آگے جناب غامدی صاحب نے فرمایا ہے: ''ریاست کا کوئی مسلمان شہری اگر زنا، چوری، قتل، فساد فی الارض اور قذف کا ارتکاب کرے گا اور عدالت مطمئن ہو جائے گی کہ اپنے ذاتی، خاندانی اور معاشرتی حالات کے لحاظ سے وہ کسی رعایت کا مستحق نہیں، تو اس پر وہ سزائیں نافذ کی جائیں گی جو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت کو پورے شعور اور شرح صدر کے ساتھ قبول کر لینے کے بعد ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اپنی کتاب میں مقرر کر دی ہیں۔''

یہاں دو سوال پھر پیدا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ کیا ایسی صورت میں پارœن اور حکومت پر لازم ہے کہ وہ ایسے مسلمانوں پر یہ قرآنی سزائیں جاری کرے؟ اگر قرآن کریم کے حکم کے تحت لازم ہے تو جب پارœن پر قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی کی کوئی پابندی نہیں ہے تو اس پر یہ پابندی کیسے لازم ہوگی کہ وہ قرآنی سزائیں ہی جاری کرے، اور ان معاملات میں اپنی طرف سے کوئی اور سزا تجویز نہ کرے، یا ان میں سے کسی جرم (مثلاً زنا بالرضا) کو جائز قرار نہ دے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ سزائیں قرآن کریم ہی کی بنیاد پر دی جائیں گی تو کیا قرآن کریم میں کوئی ایسی تفریق ہے کہ یہ سزائیں صرف ان مسلمانوں کے لیے ہیں جو شعور کے ساتھ اسلام کی دعوت کو قبول کریں، اور غیر مسلم چوروں، قاتلوں اور فساد فی الارض پھیلانے والوں کو ان سے مستثنیٰ رکھا جائے؟ جیسا کہ جناب غامدی صاحب نے فرمایا ہے کہ ''یہ سزائیں صرف مسلمانوں ہی کے لیے ہوں گی۔''

جناب غامدی صاحب نے اپنے اس ''بیانیے'' میں یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''اسلام میں قومیت کی بنیاد اسلام نہیں ہے جس طرح کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، قرآن وحدیث میں کسی جگہ نہیں کہا گیا کہ مسلمان ایک قوم ہیں، یا اُنہیں ایک ہی قوم ہونا چاہیے۔'' یہ وہی دوقومی نظریہ کا مسئلہ ہے، جس کی بنیاد پر قائداعظم نے پاکستان کے قیام کا مطالبہ کیا تھا۔ یہاں , دبانہ گزارش یہ ہے کہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں پر لغت یا عرفِ عام کے مطابق لفظ ''قوم'' کا اطلاق درست ہے یا نہیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ مستقل سیاسی اور اجتماعی وحدت کے لحاظ سے تمام مسلمانوں کو (چاہے وہ کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھتے ہوں) غیر مسلموں سے الگ " اور اس بنا پر ان کے لیے الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ قائد اعظم نے پاکستان کا مطالبہ کرتے ہوئے جو دوقومی نظریہ پیش کیا تھا اور جس کی بنیاد پر آج ہم ایک الگ

ملک کی حیثیت سے بیٹھے ہیں، اس کا مطلب یہی تھا۔ اس دوقومی نظریے پر بھی یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ مسلمانوں کے لیے ''قوم'' کا لفظ استعمال کرنا لغت اور عرفِ عام کے اعتبار سے درست نہیں ہے، لیکن ان کا مقصد ''مستقل سیاسی وحدت'' تھا، جس کی بنیاد پر اپنے اختیار سے کوئی حکومت قائم کی جائے۔

لغوی اعتبار سے تو تمام انبیاء علیہم السلام کی مخاطب ان کی قومیں ہی تھیں، لیکن انہوں نے ان کی بنیاد پر کوئی مستقل سیاسی وحدت قائم نہیں کی اور اگر کوئی ریاست قائم ہوئی تو وہ وطن اور رنگ ونسل کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اسلام کی بنیاد پر ہوئی، جیسے: حضرت موسیٰ، حضرت داؤد وسلیمان علیہم السلام کی حکومتیں اور خود رسولِ کریم ﷺ کی مدنی حکومت، البتہ اس میں غیر مسلموں کو تمام شہری اور مذہبی حقوق برابر حاصل تھے۔

جناب غامدی صاحب نے ایک اور بات اپنے نکتہ نمبر: ۲ میں یہ ارشاد فرمائی ہے کہ: ''نہ خلافت کوئی دینی اصطلاح ہے، اور نہ عالمی سطح پر اس کا قیام اسلام کا کوئی حکم ہے۔''

قرآن کریم نے سورۂ ''بقرہ'' آیت نمبر: ۳۰ میں حضرت آدم علیہ السلام کے تذکرے میں ارشاد فرمایا ہے: ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

اور سورۂ ''ص'' آیت نمبر: ۲۶ میں حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔''

نیز سورۂ ''نور'' آیت نمبر: ۵۵ میں ارشاد فرمایا ہے: ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا، جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا فرمائے گا۔ وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔'' اس کے علاوہ متعدد احادیث ہیں جن میں اسلامی ریاست کے امیر کو خلیفہ کہا گیا ہے اور اس کی حکومت کو خلافت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن وحدیث کے ان ارشادات کی بنا پر اسلامی لٹریچر اس اصطلاح سے بھرا ہوا ہے۔

فلسفہ وتاریخ کے عبقری عالم ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ ''خلافت'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لوگوں کو شرعی طرزِ فکر کے مطابق چلانا جس سے ان کی آخرت کی مصلحتیں بھی پوری ہوں اور وہ دنیوی مصلحتیں بھی جن کا نتیجہ آخر کار آخرت ہی کی بہتری ہوتا ہے۔'' (مقدمہ ابن خلدون: باب: ۳، فصل: ۲۵، ص: ۱۸۹)

قرآن وحدیث کے ان ارشادات اور چودہ سو سال سے اس اصطلاح کے معروف ومشہور بلکہ متواتر ہونے کے باوجود یہ فرمانا کہ خلافت کوئی دینی اصطلاح نہیں ہے، اس پر تبصرے کے لیے میرے پاس مناسب الفاظ نہیں ہیں۔

جناب غامدی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ: ان کا یہ ''مذہبی بیانیہ'' دہشت گردی کے موجودہ مسائل کی اصلاح کرسکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دستورِ پاکستان کو تلپٹ کر کے ان متضاد نکات کی بنیاد پر نئے سرے سے دستور بنایا جائے تو دہشت گرد اپنی دہشت گردی سے باز آجائیں گے یا ان کا خود بخود قلع قمع ہوجائے گا۔

حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ الحمدللہ! ہمارے موجودہ دستور میں چند جزوی باتوں کے سوا کوئی خرابی نہیں ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس کے جو ہری احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل نہیں ہورہا ہے، ہمارے دستور میں جو بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں، وہ لوگوں کو پوری طرح حاصل نہیں ہیں، پالیسی کے جو اصول بنائے گئے ہیں، ان پر ایک دن عمل نہیں ہوا، صوبوں کو جو حقوق ملنے چاہئیں، وہ نہیں مل رہے، عوام کو قدم قدم پر مشکلات، رشوت ستانی اور ظلم وستم کا سامنا ہے، معیشت کے میدان میں اونچ نیچ حد سے بڑھی ہوئی ہے، سرکاری دفتروں سے کام کرانا جوئے شیر لانے کے مرادف ہے، عدل وانصاف کے دروازے غریبوں کے لیے تقریباً بند ہیں۔

دستور میں یہ لکھا ضرور ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور اس کے لیے دستور نے ایک میکنزم بھی تجویز کردیا ہے جس پر اگر ٹھیک ٹھیک عمل ہو تو وہ فرقہ واریت کا بھی سدباب کرسکتا ہے، لیکن اُسے برسرکار لانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہورہی۔ یہ مجموعی صورت حال عوام میں مایوسی اور چڑچڑاہٹ پیدا کرتی ہے اور شرپسند لوگوں کو یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع ملتا ہے کہ یہ اصلاحات پرامن ذرائع سے نہیں ہوسکتیں اور حکومتوں کے اس طرزِ عمل نے اس بات کو مزید ہوا دی ہے کہ جو مطالبہ شریفانہ طور سے وعظ ونصیحت اور مشورے کے طور پر کیا جائے، حکومت اُسے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتی اور لوگوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ کوئی مطالبہ اسی وقت قابل سماعت ہوسکتا ہے جب وہ ہڑتال اور جلاؤ گھیراؤ کے ساتھ کیا جائے اور اسی کا آخری حل یہ ہے کہ حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھالیے جائیں۔

ملک کے دشمن مسلسل اس فکر کو ہوا دے رہے ہیں اور اسی بنیاد پر جذباتی نوجوانوں کو گمراہ کیا جارہا ہے۔ لہٰذا مسئلہ دستور میں کسی جوہری تبدیلی کا نہیں، مسئلہ اس پر ٹھیک ٹھیک عمل کا ہے۔ اگر اس پر سنجیدگی سے عمل ہونے لگے، عوام کو اسلامی تعلیمات کے مطابق انصاف میسر ہو اور اسلام کے عادلانہ قوانین ان کی روح کے ساتھ نافذ کیے جائیں، مجرموں کو انصاف کے تمام تقاضوں کے ساتھ عبرت ناک سزائیں دی جائیں تو یہ مسلح تحریکیں اپنی موت آپ مرجائیں گی۔

خدا کے لیے نیا انتشار پھیلانے کے بجائے متحد ہوکر اس جہت میں کام کریں۔

☆☆☆